© rasailojaraid.com

سفر افغانستان کے پراگندہ نقوش

ایڈیٹر کے قلم سے

محمود غزنوی کے دیس میں

قسط ۲

بلخ کے کھنڈرات یا علم و حکمت کے دفینے

اس خطۂ صالحین سے ذرا آگے بڑھیں تو سڑک چھوڑ کر قاضی ابو مطیع بلخی کے مزار پر حاضری دیں یہ اپنے وقت کے ممتاز عالم قانون اسلامی اور شریعت کے امام تھے۔ نام عبدالحکیم بن عبداللہ کنیت قاضی ابو مطیع ۔منظوم کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے تلمیذ اور قاضی ابو یوسف و امام محمد کے رفیق طریق تھے۔ تاریخ وفات اشعار میں "جہان علم" ۱۹۹ قمری ہجری لکھی ہے۔ اب ہمارا بردبار اور معمر ترکستانی قائد جسے مزار شریف کے متولی و خطیب اور وہاں کے دیگر علماء نے ہمارے ہمراہ کیا ہے، ہمیں فقیہ امت ابو اللیث سمرقندی کے مزار پر لے گیا۔ فقیہ ابو جعفر ہندوانی کا یہ قابلِ فخر شاگرد نصر بن محمد بن احمد السمرقندی فقہ حنفی کا اہم ستون ہے۔ اپنے وقت میں امام الہدیٰ کے لقب سے علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا۔ فقہ حنفی اور دیگر علوم میں بیشمار کتابیں تصنیف کیں کتب تذکرہ میں انکی کئی کتابوں ۔ تنبیہ الغافلین ، البستان ، شرح الجامع الصغیر ، النوازل والعیون والفتاویٰ ، خزانۃ الفقہ ، متن متنی الفقہ ، تفسیر القرآن ، فتاویٰ ابو اللیث ۔ وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ علمی اور فقہی حلقوں میں آج بھی ان کے فتاویٰ اور اقوال کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ شہر بلخ سے باہر ۳۷۶ھ مطابق ۹۸۵ء یا ۳۷۳ھ یا ۳۷۵ھ یا ۳۹۳ھ میں وفات پائی۔ ان کی علمی عظمتوں کے سامنے گردن سرنگوں ہو جاتی ہے کہ آج بھی رہا سہا جو کچھ مسلمانوں کے پاس ہے ایسے ہی بزرگوں کی منتوں کا ثمرہ ہے — مزار کے شکستہ تختہ پر بائیں جانب ایک اور قبر ہے جو کسی عالم اور حبرِ امت ہی کی ہوگی۔ مگر نام و نشان نامعلوم فقیہ ابو اللیث کے سرہانے کتبہ بھی گردشِ ایام کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ اس پر دو ایک سطریں باقی ہیں جو مشکل سے پڑھی جاتی ہیں۔ اپنی عظمت رفتہ کے آثار کی حفاظت غیور قوموں کا شیوہ ہے مگر خدا معلوم افغانستان کی حکومت کبھی ان آثار کی حفاظت کی طرف توجہ دے بھی سکے گی یا نہیں۔ کلچر اور ثقافت کے جشنوں پر لاکھوں روپے اڑانے والی قومیں اپنی اصل تہذیب و تمدن کی بنیادوں کی طرف کم ہی متوجہ ہوا کرتی ہیں۔ اور اپنے ماضی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے خبر ملکوں کے عجائب خانوں کی رونق فراعنہ کے آثار گوتم بدھ کے نقوش اور کنشک کے گھسے پھٹے باقیات ہی سے ہوتی ہے ــــــ الغرض دونوں قبریں کھلے میدان میں اور بلخ کے اکثر مزارات کیطرح گوشۂ گمنامی میں بدعات و رسوم سے دور مزار عزیز باں بنی ہوئی ہیں۔ اللہ کی شان جن لوگوں کی زندگی اتباعِ سنت کی تلقین ظواہر شریعت کی حفاظت اور بدعات و منکرات سے جہاد میں گذری عموماً ان کی قبروں کو بھی اللہ نے ان خرابیوں سے محفوظ رکھا۔ یہ ایک ایسا صلہ ہے کہ خالص اپنے رب کے ہونے والے بندوں کو دنیا میں بھی مل رہا ہے ــــــ ایک اور سمت میں جائیے تو خواجہ عکاشہؒ کا مزار ہے کہنے والوں نے کہا کہ ابراہیم ادہم کے والد بزرگوار ہیں، خواجہ آب کشاں کے نام سے معروف ہیں، خواجہ آب کشاں ابراہیم ادہم کے والد ہوں یا نہ ہوں مگر اس سلطانِ دنیا و دین کو جسے اقلیم معرفت ابراہیم ادہم کے نام سے جانتی ہے، اسی علاقہ سے نسبت رہی، وہ یہاں کے فرمانروا تھے۔

جب رات کو اپنی خوابگاہ کے اوپر کسی کی آہٹ سُنی تو پوچھنے پر کسی نے کہا کہ چھت پر اپنا گم شدہ اونٹ دیکھ رہا ہوں۔ سلطان بلخ کو تعجب ہوا۔ پوچھا کہ شاہی خوابگاہ کی چھت اور اونٹ؟ جواب میں ایک ملکوتی آواز آئی کہ ارے غافل! تو جب کمخواب اور اطلس کے زریں بستروں میں خدا کو ڈھونڈھ رہا ہے تو چھت پر اونٹ کی تلاش تو اس سے کم تعجب خیز ہے ــــ تیر نشان پر لگ گیا۔ ابراہیم گھائل ہوگئے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے تخت و تاج کو غیر فانی سلطنت، اقلیم عشق سے ٹکرا دیا۔ اب دل کے آئینہ میں اپنی برزخی منزل نگاہوں کے سامنے تھی جس میں نہ کوئی مونس تھا نہ غمخوار، نہ لشکر و سپاہ کا ہنگامہ تھا نہ دولت و سلطنت کی جاہ و جلال ــــ سفر دور دراز درپیش مگر زادِ راہ معدوم، ایک عادل اور قادر قاضی کی عدالت مگر نہ گواہ نہ وکیل۔ پھر دنیا کی اس چند روزہ حکومت اور شوکت کی کیا وقعت رہ سکتی تھی۔ مملکت خراسان کو خیر باد کہا، وسعت دل کی پنہائیوں میں گم ہوگئے۔ ملک نیم شب کی حلاوتوں کے سامنے ملک نیمروز کی سرابی لذتوں کی کیا نسبت، اور آج ابراہیم ادہم ایک سلطان و امیر نہیں بلکہ عارفانِ طریقت کی نگاہوں میں سلطانِ دین، سیمرغ قاف یقین، گنج عالم عزلت صدیق روزگار ہیں (عطارؒ) سونے چاندی کے خزانوں کو لات ماری، شیخ عراق جنید بغدادیؒ کی زبان میں مفتاح العلوم بن گئے اور علم حقیقی کے مخفی خزانوں کی کنجیاں ہاتھ آگئیں۔ اب قوت و جبروت سے لوگوں کے جسموں کو زیر نہیں کر رہے تھے۔ مگر دلوں کی دنیا حکمرانی میں مل گئی۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ گذرنے والی رات کو مزار شریف میں ایک مجلس کے صدقے چشم تصور نے ابراہیم ادہم کا دور گویا محسوس ہوتے دیکھا۔ یہ مجلس عشاء کے بعد روضۂ مبارک (منسوب بہ حضرت علیؓ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قدموں میں متولی کے حجرۂ خاص میں چند سراپا اخلاق و شرافت بزرگوں نے رات کے کھانے پر اپنے نو وارد مہمانوں کیلئے منعقد کی تھی جس میں ایک بزرگ نے سراپا سوز آواز میں مولانا روم کی مثنوی کا وہی حصہ خاص لے میں سنایا جس کا تعلق ابراہیم ادہم کی صحرانوردی سے تھا۔ اور سرزمین پر قصۂ زمین نے ایک خاص اثر پیدا کر دیا۔ چند لحظوں کیلئے اردگرد سے بے خبر مسحور ہو کر عالم خیال میں اپنے آپ کو اُس عہد شکوہ میں پایا کہ ابراہیم ادہمؒ گدڑی پہنے سوزِ الٰہی میں بادیہ پیمائی کر رہے ہیں۔ محبوب حقیقی کا یہ متلاشی بلخ کے قریب دریائے جیحون کے کسی کنارے بیٹھا ہوگا۔ کہ جدائی میں تڑپتی ماں یا بعض روایات کے مطابق دوست احباب تلاش کرتے وہاں پہنچے ماں نے ابراہیم کو اپنے فیصلہ پر سرزنش کی۔ ناز و نعمت اور امارت و شوکت کے مقابلہ میں اس فقر و غربت اور بے کسی پر افسوس کا اظہار کیا۔ ابراہیمؒ نے جو گدڑی کو پیوند لگا رہے تھے، اپنی سوئی دریا میں ڈال دی اور پھر یکایک ہاں کے سامنے دریا کی مچھلیوں کو حکم دیا کہ مجھے سوئی چاہئے، ہزاروں مچھلیاں منہ میں سونے کی سوئی لئے پانی میں ابھر آئیں۔ ابراہیمؒ نے سونے پر نگاہِ حقارت ڈالتے ہوئے کہا مجھے اس کی کیا ضرورت اس متاع کی تو میرے ہاں فراوانی تھی، مگر میں نے اسے سکون و اطمینان اور وصالِ حقیقی کی لازوال دولت کے بدلے ——— ٹھکرا دیا ہے۔ اب مچھلیوں نے دوبارہ غوطہ لگایا اور ایک مچھلی منہ میں وہی سوئی لئے ہوئے ابراہیمؒ کے قدموں میں ڈال آئی۔ اور اسطرح ابراہیمؒ نے اپنی والدہ کو سمجھانا چاہا کہ اماں جان یہ سلطنت اچھی ہے یا توپ و تفنگ۔ اور سیم و زر کے زور سے جو چند آدمیوں کے صرف جسموں پر قائم ہوتی ہے۔ یہ تو قلوب کی حکمرانی ہے ـــ اور انسانوں پر ہی نہیں بلکہ حیوانات تک پر حاوی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے تو دریاؤں کی مچھلیاں، صحراؤں کے وحوش اور فضاؤں کے پرندے بھی دعاگو رہتے ہیں کہ ان کی دم خم سے تو اللہ کے نام کا چرچا اور ان کی رونق سے کائنات آباد رہتی ہے۔

رو بدو کرد و بگفتش کاے امیر ملک دل بہ یا چنیں ملک حقیر

ایں نشان ظاہرست ایں ہیچ نیست باطنی جوئی بظاہر بر مایست

یہ ابراہیم ادھم کا قصہ تھا بارہا جس کے سننے کا اتفاق ہوا مگر رات کی مجلس میں سنانے والا مثنوی مولانا روم کا ایک دلدادہ تھا، پڑھنے کا عجب انداز، ڈوب کر سنا رہا تھا۔ عجیب سوز و گداز۔ در لکھنے والا مولائے روم ——— !

اس کے بعد آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

★

© rasailojaraid.com